عہد رسالت و خلافت راشدہ میں بین الاقوامی معاہدات قرآن و سنت کی روشنی میں

قدسیہ خاکوانی*

محمد اکرم رانا**

Abstract

Hazrat Muhammad (PBUH) was not merely a prophet of his time; he established an Islamic state at Madinah. He gave constitution called میثاق مدینہ to this nation. He gave some norms and guided principles to run the government and state. After establishing real state, he made some treatises with the external tribes/ countries. Among these principles some were: co-existence, justice, generosity, human rights, responsibility, and sincerity. On the basis of these principles he made treatises with different tribes and nations. This legacy remained intact within the period of caliphate. By this he strengthened his defense system and saved the lives of his people. Whether these principles will be useful to follow in our modern age contracts or otherwise. This paper will focus on this issue and see effectiveness of these principles.

Keywords: Treatises, Generosity, Co-Existence, State, Government, Tribes

اللہ رب العزت نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو ظاہری و باطنی ہر طرح کی خوبیوں سے ایسا آراستہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کمال آپ پر تھے۔ اور کوئی بھی آپ ﷺ کی شخصیت کے انوکھے پہلوؤں کی نظیر پیش نہیں کر سکتا تھا۔ جہاں وحی الٰہی اور احکام خداوندی کے مبلغ و معلم تھے وہاں کفر و شرک کے زنگ سے دلوں کو صاف کرنے والے تھے۔ ایک حقیقی معبود سے انسانوں کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم کرنے والے اور خالق سے مخلوق کے ربط و تعلق کو مستحکم بنانے والے تھے وہیں آپ کی زندگی اخلاق حسنہ کی حسین تشریح تھی۔ اور آپ ﷺ کی ذات میں اخلاقیات کے تمام تر پہلو اور اوصاف آپ ﷺ کی شخصیت تمام خوبیاں میں مکمل موجود تھیں۔

---

* سابق ڈین، شعبہ مذہبیات و زبانیات، خواتین یونیورسٹی، ملتان۔

** سابق چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

ایک اسلامی ریاست جس آئین اور نظام حکومت کی پابند ہوتی ہے وہ دیگر قومی وجمہوری یالا دینی ریاستوں کے آئین کی طرح کسی حکمران یا پارلمنٹ کا وضع کردہ نہیں جس میں عارضی طور پر عوام اور رعایا کے مفاد اور ان کی فلاح و بہبود کی بجائے حکمران پارٹی کسی مخصوص طبقہ یا خاص فرد کے مفاد کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کی تشکیل کا ایساء نمونہ پیش کیا جس میں نہ صرف انفرادی واجتماعی احکام خداوندی کو نافذ کرکے دکھایا بلکہ بین الاقوامی تعلقات کے متعلق بھی ہدایات فرمائیں۔

دین اسلام امن ہے اور یہ معاشرے میں رہنے والے تمام افراد خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں، ان کے جان ومال اور عزت آبرو کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے حاصل ہوتے ہیں۔ فقہائے اسلام کے نزدیک اسلام ریاست کا قانون پر ان کے شخصی قانون پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعی قانون ہے۔ اور یہ سزا جیسے مسلمانوں پر نافظ ہوتی ہے اسی طرح غیر مسلموں پر بھی نافذ ہوتی ہے۔ غیر مسلم چوری کا ارتکاب کرئے گا تو وہ بھی یہی سزا پائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ

''یاایھاالذین امنواؤفوبالعقود''

''اے ایمان والو اپنے وعدوں کو پورا کرو چاہے (یہ مسلم سے ہوں یا غیر مسلم سے)۔''

یہی وجہ ہے کہ آپ کے مخالفین کو بھی آپ کی اخلاقی خوبیوں کے ساتھ اس بات کا بھی اعتراف تھا کہ آپ وعدوں اور معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ابوسفیان سے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، ہرقل بادشاہ نے آپ کے بارے میں پوچھا: کہ کیا آپ وعدوں اور معاہدوں کو توڑتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا: نہیں۔ تو اس پر ہرقل نے کہا کہ انبیاء کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ وعدہ خلافی اور معاہدہ شکنی نہیں کرتے ہیں۔

اسی طرح عمان کے بادشاہ کے پاس جب اسلام کی دعوت پہنچی تو اس نے اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہا کہ بخدا مجھے ان کے نبی ہونے کا یقین اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ جس خیر کا حکم دیتے ہیں پہلے خود ہی اسے اختیار کرتے ہیں، کسی برائی سے بھی روکتے ہیں تو سب سے پہلے وہ خود اس برائی کو چھوڑتے ہیں، کسی قوم پر غالب آتے ہیں تو فخر و تکبر نہیں کرتے اور معاہدوں اور وعدوں کو پورا کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ نبی ﷺ ہیں۔ اس حقیقت کا مخالفین اظہار کیوں نہ کریں کہ کبھی بھی آپ نے غدر و بے وفائی اور وعدہ خلافی کو

گوارا ہی نہیں کیا بلکہ حالات اور تقاضوں سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ نے وعدوں کو پورا کیا اور عہد وپیمان کی پاسداری کی۔

معاہدہ کا معنی ومفہوم:

معاہدات معاہدہ کی جمع ہے اور یہ باب مفاعلہ سے ہے۔اس کا مادہ ع،ھ،د اور معنی قسم کھا کر پختہ عہد کرنا جو عام طور پر دو فریقین میں طے پایا جاتا ہے۔

المنجد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عھد (س) عھد الامر پہچاننا، حفاظت کرنا، دیکھ بھال کرنا۔

عاھدہ: معاہدہ کرنا، حلیف بنانا۔

تعاھد القوم: ایک دوسرے سے معاہدہ کرنا۔ حلیف بننا

العھد: (مصدر) وفا، ضمان، امان، ذمہ، دوستی، وصیت، میثاق، قسم

العھدان: ضمانت، کفالت

العھید: معاہدہ کرنے والا۔[1]

معاہدہ کی شرائط:

معاہدہ کی شرائط کسی بھی معاہدہ کے لاگو ہونے یا نہ ہونے کی علمبردار ہوتی ہیں اگر شرائط پر عمل کیاجارہا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ معاہدہ قائم ہے اور اگر عمل نہیں کیاجارہا تو معاہدہ رد یعنی ختم ہو چکا ہے اسلامی حکومت میں اس کی ایک مثال معاہدہ حدیبیہ ہے۔[2]

دو طرفہ یا متوازی قواعد وضوابط:

دو طرفہ اور متوازی قواعد وضوابط اور قوانین سے مراد ایسے قوانین ہیں جو کہ اگر ایک ملک میں رائج ہیں تو دوسرے ملک میں بھی ان ہی بنیادوں پر رائج ہونگے۔ایک دفعہ ایک سرحدی کسٹم آفیسر نے خلیفہ سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور سوال کیا کہ اسلامی مملکت میں تجارت کے لیے آنے والے بیرونی

---

[1] المنجد،۶۸۸

[2] حمید اللہ،ڈاکٹر، **حضور اکرمؐ کی حکمرانی وجانشینی**،۸۲

تاجروں سے کس قدر ٹیکس وصول کیا جائے۔انہوں نے جواب دیا کہ ان سے اتنا ہی ٹیکس وصول کیا جائے جتنا یہ لوگ مسلمانوں سے وصول کرتے ہیں جب وہ تجارت کی غرض سے ان کے ممالک میں جاتے ہیں۔مصنف مزید وضاحت کرتا ہے کہ یہ روایت اور قانون رسول اکرم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھا کیونکہ جنگ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ قریش کا علمبردار کون ہے۔ آپ ﷺ کو آگاہ کیا گیا کہ یہ روایت ان کے ہاں وراثت کا درجہ رکھتی ہے یعنی موروثی ہے۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم پر حق اصل حقدار کو دینے کی ذمہ داری زیادہ ہے۔اور پھر پرچم حضرت مصعب ؓ کے حوالے کر دیا۔[3]

اس دور میں غیر مسلموں کے ساتھ کئے جانے والے جن معاہدات کی تفصیل تاریخ میں محفوظ ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ شرط عائد نہیں کی گئی کہ غیر مسلم اپنے قانون و معاشرتی معاملات میں اسلامی شریعت کے احکام کے پابند ہو گے۔ آپ ﷺ نے ایک فرد کے دوسرے افراد اور ایک ریاست کے دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے اصول و ضوابط سے متعلق عملی نمونے پیش کئے۔ آپ ﷺ نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں سے معاہدات کر کے بین الممالک و بین الاقوامی تعلقات استوار کئے۔ غیر مسلموں کے ساتھ کئے گئے معاہدات کی اساس مختلف ہے۔ ان میں سیاسی، معاشرتی، جنگی، دفاعی اور تجارتی معاہدات شامل ہیں۔ غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ جس انداز میں عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں کیا گیا اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ نبی کریم ﷺ نے معاہدات میں کچھ زرین اصول بیان کئے۔ ان زرین اصولوں کے بغیر معاہدات مکمل نہیں ہوتے۔

۱۔رواداری ۲۔عدل ۳۔عدم تشدد ۴۔جہاد ۵۔وسعت قلبی
۶۔انسانی جان کا تقدس ۷۔آخرت میں جواب دہی کا خوف ۸۔عقد ذمہ کا پاسداری
۹۔دھوکہ دہی سے اجتناب ۱۰۔اخلاص (خالص نیت / نیت کی درستگی)

نبی کریم ﷺ نے اپنے مواثیق، معاہدات اور فرامین کے ذریعے اس تحفظ کو آئینی اور قانونی حیثیت عطا فرمادی تھی۔ قبل از نبوت قریش اور بنی قیس کے درمیان ۵۹۰ عیسوی میں ایک معاہدہ طے پایا جسے حلف الفضول کا نام دیا گیا۔اس معاہدے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ زمانہ رسالت میں آپ ﷺ کے اس معاہدے

[3] حمید اللہ، ڈاکٹر، **حضور اکرم ؐ کی حکمرانی و جانشینی**، ۸۳

کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اگر اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا۔ اس معاہدے کے علاوہ حضور ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد مدینہ کے باشندوں سے یعنی کہ اہل یہود سے ایک معاہدہ طے کیا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ تھے۔ اس کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ نے بہت سے دیگر قبائل کے ساتھ بھی معاہدات کئے۔ جو انہیں زریں اصولوں کے مطابق تھے جن میں:

۱۔ بنو ثعلبہ اور غسان سے معاہدہ

۲۔ جہینہ کے قبائل سے معاہدہ

۳۔ بنو ضمرہ اور بنو مدلج سے معاہدہ

۴۔ قبیلہ خزاعہ کے ساتھ معاہدہ

۵۔ بنو ثقیف کے ساتھ معاہدہ

اس کے علاوہ :

دستور مدینہ:

یہ معاہدہ، مدینہ میں بسنے والی مختلف اقوام و ملل، مشرکین، یہود اور مسلمانوں کے درمیان دستور کی حیثیت سے طے پایا۔

حلیفی معاہدات:

یہ معاہدات مدینہ کے مغربی قبائل جہینہ، مزینہ اور جمرۃ وغیرہ سے کیے گئے۔

صلح حدیبیہ:

یہ معاہدہ مشرکین مکہ سے آئندہ دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ اس معاہدہ کو قرآن مجید نے فتح المبین کا نام دیا۔

معاہدات امان:

ان معاہدات کا تعلق مفتوح قبائل و اقوام سے تھا۔ ان معاہدات کی اسلام میں انتہائی اہمیت ہے۔ کہ یہ اسلامی ریاست کی اساس ہونے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی دستورِ امن و حکمرانی بھی ہیں۔

جیسا کہ دستور مدینہ، حلیفی معاہدات، صلح حدیبیہ، معاہدات امان وغیرہ ان معاہدات کا تعلق مفتوح قبائل واقوام سے تھا۔ ان معاہدات کی اسلام میں انتہائی اہمیت ہے۔ یہ اسلامی ریاست کی اساس ہونے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی دستور امن و حکمرانی بھی ہیں۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معروض وجود میں آیا۔ جس کے حصول کا مقصد صرف ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اسلامی اصولوں پر کاربند رہنے میں آزادی کا حصول تھا اور ایک اسلامی ملک کی حیثیت سے پاکستان کے دیگر ممالک کے ساتھ معاہدات کا سیرت نبی ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور میں کئے گئے معاہدات کے زرین اصولوں کی روشنی میں مطابق ہوئے اور اُس کے کیا نتائج نکلے اسلامی ریاست پاکستان کو کس حد تک فوائد حاصل ہوئے۔ جس ملک کے معاہدے ان زریں اصولوں کے مطابق ہوں وہ ملک کس حد تک ترقی کر سکتا ہے۔

ابتدائی اسلامی ریاست اور دفاعی پہلو:

اسلامی ریاست کا ابتدئی اور بنیادی اصول ایک ہی ہے اور اسی اصول کے سبب اسلامی ریاست دوسری ریاستوں سے مختلف ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

"اسلامی ریاست کی بنیاد ایک ہی قانون ہے کہ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں۔"[4]

اور پیغمبر اس زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ بن کر آئے۔ علامہ ابوحیان اندلسی نے تفسیر قرآن میں درج کیا ہے:

''الانبیاء هم خلائف الله فی ارضه''

"پیغمبر روئے زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ تھے۔"

''اور الانبیاء اسم لكل من انستقل اليه تدبير اهل الارض والنظر فی مصالحهم''

"اور خلیفہ اس انسان کا خطاب ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں روئے زمین کے افسانوں کی تدبیر و تنظیم کا کام اور مفاد عامہ کی نگرانی کا معاملہ کسی طرف سے انتقال پاکر پہنچے۔"

---

[4] مودودی، ابواعلیٰ، سید، **اسلامی ریاست**، (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۶۲ء)، ۲

اس بیان کا تعلق حکومت اور ریاست کی حفاظت کی ان ذمہ داریوں سے ہے جس کا تعلق اسلام کے عظیم پیغمبروں سے ہے۔[5] ہمارے پیارے نبی سرور کونین دو جہانوں کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اس زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ بن کر آئے حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں ابتدائی اسلامی ریاست اسی اصول کے تحت قائم کی کہ تمام اختیارات کا مالک اور منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہ حضور اکرم ﷺ کی حکمت اور دانش مندی تھی کہ مدینہ کی ابتدائی ریاست کفار یہود اور منافقین کے ہوتے ہوئے بھی محفوظ اور اور مضبوط رہی۔ حضور اکرم ﷺ کی حکومت کا ایک اور انتہائی اہم پہلو شورائی نظام تھا حضور اکرم ﷺ اگر چاہتے تو حکومت اور دفاعی معاملات میں اپنی مرضی کی فوجیوں اور وزیروں پر مسلط کرسکتے تھے مگر آپ ﷺ نہ تو خود غرض تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کا مقصد دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرکے ناجائز فائدہ اٹھانا تھا۔ آپ ﷺ ہادی برحق تھے آپ ﷺ نے نہ صرف غزوات میں صحابہ کے مشورہ سے کاروائی کی بلکہ دیگر حکومتی معاملات میں بھی مشورے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔[6]

دفاعی اعتبار سے ریاست کو کامیاب بنانے کا دارومدار لوگوں کے باہمی تعاون پر ہے یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسے اصول مرتب فرمائے جو پرخلوص اعتماد کی فضا کو بحال کرکے لوگوں کو باہمی تعاون پر آمادہ کرتے ہیں۔[7] دفاعی اور سیاسی معاملات میں آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ عرب کے لوگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آپ ﷺ کا وزیر کہتے تھے۔

معاہدات کے زریں اُصول

رواداری:

رواداری کا مطلب ہے سب کے ساتھ بلا امتیاز، مذہب، رنگ نسل اور بھلائی پر مبنی رویہ رکھنا۔ اسلام پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں سب کے ساتھ عدل واحسان کا حکم دیا گیا ہے۔

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالعَدلِ وَالإِحسانِ''[8]

---

[5] غازی، حامد الانصاری، **اسلام کا نظام حکومت**، (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، س،ن)، ۱۲۵

[6] انصر عمری، جلال الدین، مولانا، **اسلام کا شورائی نظام**، (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، س،ن)، ۱۵

[7] فاروقی، محمد یوسف، **عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل**، (لاہور: اظہار القرآن، انیس اردو بازار، س،ن)، ۱۲۱

[8] البقرة:۲۵۶

"بے شک اللہ (سب) کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔"

اسلام کے اخلاقی احکام مثلاً مظلموں کی امداد، غریبوں کی خبر گیری، اخوت، رواداری اس طرح کے تمام نیک کام بلا امتیاز مذہب، ان میں تمام مسلم غیر مسلم شامل ہے۔

عدل:

عدل کے لغوی معنی امام راغب اپنی مشہور کتاب "المضردات" میں بیان کرتے ہیں کہ سب کے ساتھ برابر کا معاملہ کرنا۔ اسی طرح عدل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح فرمایا ہے کہ

"اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور قیام عدل کے لیے میزان رکھا کہ عدل میں بے ایمانی نہ کرو۔"

اس آیت پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کو اس لیے بھیجا کہ عدل و انصاف کو قائم کریں۔ ظلم و زیادتی اور نہ انصافی کا خاتمہ ہو اور ساتھ ہی تمام انسانوں کو انصاف کے ساتھ زندگی گزارنے کے طریقے بتائے۔ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں عدل و مساوات کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

جہاں نبی کریم ﷺ نے سیاسی معاملات میں یعنی بیرونی و خارجی معاملات میں انصاف کے دامن کو تھامے رکھا وہیں عائلی معاملات میں بھی اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ مساوات کا معاملہ کیا اور آخری ایام میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے تو پہلے تمام ازواج مطہرات سے اجازت طلب فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کی اس صفت مبارکہ کا اعتراف سرور دو عالم کے مخالفین بھی کرتے تھے۔ اور نبوت سے پہلے بھی لوگ اپنے معاملات کو حضور اکرم ﷺ کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ میں اوصاف حمیدہ بدرجہ اتم موجود تھے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن مجید میں حضور کو یہود کے معاملات میں فیصلہ کرتے وقت انصاف کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی صفات میں عدل کی صفت کی اعلیٰ اور بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو مزید تاکید کی گئی اور ساتھ ہی امت کے بھی ترغیب اس انداز میں کی گئی کہ:

"اے اللہ کے رسول! جب آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"[9]

---

[9] المائدہ:۴۲

پھر قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارکہ سے کہلوایا گیا کہ:

"کہو! مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔"[10]

جب دو فریقین کے درمیان معاہدات طے پاتے ہیں تو ان معاہدات کی بقاء کے لیے عدل کا پہلو انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جب حضرت محمد ﷺ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کر رہے تھے تو اس میں باقی شرائط کی طرح ایک شرط یہ بھی تھی کہ:

"قریش میں سے اگر کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آ گیا تو اسے مکہ واپس بھیج دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے مکہ آئے گا تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔"

حالانکہ یہ شرط عدل کے خلاف تھی۔ لیکن اس کے باوجود ایک مظلوم صحابی ابو جندل کفار مکہ کے ظلم و جبر سے تنگ آ کر مدینہ آئے تو اسیر مکہ والوں نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی طرف حضور ﷺ کی توجہ دلائی تو آپ نے عدل سے کام لیتے ہوئے ابو جندل کو واپس بھیج دیا۔

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے میں بنیادی اصول عدل ہے جیسا کہ باقی واقعات کے ساتھ ساتھ صحابی رسول ابو جندل کے واقع میں نظر آتا ہے۔

قرآن پاک میں ہر کسی کے ساتھ عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالعَدلِ وَالإِحسانِ''[11]

"بے شک اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ عدل و احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

اسلام پورے معاشرے کی تعمیر چاہتا ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہوتے ہیں۔

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُم أَن تُؤَدُّوا الأَماناتِ إِلىٰ أَهلِها وَإِذا حَكَمتُم بَينَ النّاسِ أَن تَحكُموا بِالعَدلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللَّهَ كانَ سَميعًا بَصيرًا''[12]

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

---

[10] شوریٰ:۱۵

[11] النحل:۹۰

[12] النساء، ۴:۵۸

اس آیت میں الناس کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد تمام لوگ ہیں خواہ دوست ہوں یا دشمن، مسلم ہو یا غیر مسلم مسلمانوں کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ امانتیں ان کے اہل کو دیں گے بے لاگ انصاف فراہم کریں گے۔

عدم تشدد:

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ اس نے مسلمانوں کو تشدد اور ظلم کی راہ سے روکا اور ہر کام میں اعتدال و توازن اور ہر سطح پر امن و سلامتی کو بر قرار رکھا اور اسلام کے اسی راہ اعتدال پر ہونے کی وجہ سے اسلام میں تشدد کا عنصر بالکل بھی نہیں پایا جاتا۔ چاہے اس کا تعلق کسی انفرادی معاملات سے ہو یا اجتماعی معاملات سے ہو اور ہر طرح کے معاملات میں اسی اعتدال کی وجہ سے دین اسلام میں خوبصورتی اور امن کا پہلو جھلکتا ہے۔ اسلام دینی معاملات کے ساتھ ساتھ دنیاوی معاملات میں اعتدال کو اختیار کرنے کا مطالبہ کرتا ہے پھر چاہے وہ دنیاوی معاملات معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا سفارتی، کاروباری معاملات ہوں یا تجارتی اور ہر طرح کے معاملات جنہیں دو یا اس سے زیادہ فریقین شامل ہوں اور کسی معاہدے پر یا شرائط پر ہوں تو خود کو پابند کرنے پر راضی ہوں تو ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ کسی دوسرے فریق پر کسی بھی طرح کا تشدد نہ کریں، یعنی معاہدے کی کسی بھی شرط پر عمل نہ کر کے یا پھر کسی بھی خیر سے خالی عمل کر کے دوسرے فریق کو تکلیف نہ پہنچائے۔

پھر چاہے وہ شخص مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں ہر صورت میں عدم تشدد کا دامن پکڑے رہے گا حکم ہے کہ عہد نبوی میں کئے گئے جتنے بھی معاہدات تھے ان سب میں عدم تشدد کا عنصر نہ پایا جاتا تھا اور آج کے دور میں بھی کئے جانے والے معاہدات میں انہی اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ معاشی معاشرتی، سیاسی، دفاعی اور سفارتی تعلقات میں بہتری پیدا ہو سکے۔ اسلام انسانی جان پر تشدد سے روکتا ہے اور انسانی جان کی حفاظت و احترام کا درس دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد ہے کہ:

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا''

''جو شخص کسی کو قتل کرئے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اسے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی۔''[13]

[13] المائدہ: ۳۲

یعنی اللہ تعالیٰ انسانوں کو خلق خدا کے لیے سود مند بنانے کی خاطر فرماتا ہے کہ تم عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھو چاہے تمہیں کسی دشمن سے ہی معاملہ کیوں نہ کرنا پڑے یعنی دشمن کے مقابلے میں شدت پسندی کی جگہ عدل و انصاف کا مظاہرہ کرو۔ جو دشمن فکری مخالف گروپ سے ہو یا غیر مذہب ہو، جیسا کہ سید دوعالم نے ایک یہودی جس کا مسلمان کے ساتھ تنازہ تھا اس کو انصاف دلایا اور آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ میں چاروں خلفاء نے بھی اسی طرز عمل کو اپنائے رکھا یعنی دشمن کے معاملے میں بھی شدت پسندی کی بجائے صلہ رحمی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک ورق رحمت عالم ہونے کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ نے گالیاں دینے والوں کی دعائیں دی اور بدترین دشمنوں پر مکمل قابو پا کر ان کے لیے عام معافی کا اعلان فرمایا۔

جہاد:

غیر مسلم اسلام کے تصور جہاد کو دنیا میں تشدد پھیلانے اور خوف ہر اس کو ہوا دینے کا ایک آلہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ جہاد ایک جامع عبادت ہے اس کا ایک جزو قتال ہے۔ جس کی اجازت اس وقت دی گئی۔ جب عالم کفر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ مفاہمت کی تمام راہیں مسدد ہو گئی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

''أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ''[14]

جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں بے شک اللہ ان کی مدد نصرت کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔"

وسعت قلبی:

وسعت قلبی اللہ کا ایک انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو اعمال بد کی بنا پر گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔ جس کی بنا پر حق بات قبول کرنا اس پر عمل کرنا ایسے دشوار ہو جاتا ہے۔ جیسے آسمان پر چڑھنا، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

''فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ''[15]

---

[14] الحج: ۳۹

[15] الانعام: ۱۲۵

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں رکھنا چاہتے ہیں اس کا دل تنگ اور سخت کر دیتے ہیں گویا کہ وہ زور سے چڑھتے ہیں آسمان پر۔"

وسعت قلبی کا تعلق صرف ہدایت کے معاملے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس وسعت قلبی کی بدولت ہی انسان کے تمام معاملات میں خیر و حسن پیدا ہوتا ہے۔ جس شخص کے دل میں وسعت ودیعت کر دی گئی ہو پھر اس کے ہر عمل میں خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ پھر وہ ہر ذی روح سے معاملہ کرتے ہوئے خدا خوفی اور نرمی کے پہلو کو اول ترجیح دیتا ہے۔ اس کی اس نرمی سے صرف انسان ہیں نہیں بلکہ جانور بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔ معاہدات نبوی میں جو سب سے حیران کن اور مثبت تاریخ ساز اثرات صلح حدیبیہ کی بدولت مرتب ہوئے۔ صلح حدیبیہ در حقیقت بقائے امن باہمی کے اہم اور سنہری اصول کی بنیاد پر کیا جانے والا معاہدہ تھا جس کی وسیع اور مضبوط جڑوں کے اثرات خلافت راشدہ تک پائے جاتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے معاہدے کی بنیادیں وسعت قلبی، اعلیٰ سلوک، رواداری، وسیع نظری، اعتدال پسندی و روشن خیالی پر استوار تھیں اور اسی قلبی وسعت اور اعلیٰ ظرف کی بناء پر ہی غیر مسلم دامنِ اسلام کی طرف سمٹتے ہوئے چلے آئے تھے اور اسلام کے انہی اعلیٰ سنہری اصولوں کی بناء پر اسلام عرب سے نکل کر غیر عربوں میں بھی مقبول و منظور ہو گیا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتی تھی اور سیرت رسول ﷺ کی بناء پر ہی مسلمانوں کی عسکری و سیاسی، اخلاقی، تجارتی معاملات پر گہرے اثرات مرتب کئے اور اسی صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی تاریخ میں جتنے بھی معاہدات ہوئے ان سب میں امن و صلح اور قلبی وسعت نظر آتی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا حصہ تھے وہ اب مسلمانوں کے کردار میں جھلکنے لگا اس وجہ سے مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے حکومتی دور میں ذمیوں اور غیر مسلموں کو وہ حقوق دیئے جو پوری تاریخ کے لیے اعلیٰ مثال پیش کی جسکی غیر مسلم دینا ایسی نظیر پیش کرنے سے قطعی قاصد ہے اور غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور بھی بڑھ گئی اور قبول اسلام میں تیزی سے اضافہ ہوا اور یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام امن و سلامتی اور محبت کا دین ہے۔

انسانی جان کا تقدس:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے نائب کا درجہ دیا ہے اور انسان کو معزز اور مکرم پیدا کیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

''ولقد کرمنا بنی آدم''[16]

''ہم نے انسان کو معزز بنایا۔''

اسلام انسانی جان کے تقدس میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق روا نہیں رکھتا ناحق قتل مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا دونوں کے لیے یکساں سزا ہے۔ اسلام میں کسی کی جان لینا حرام ہونے کے ساتھ اپنی جان لینا خود بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

''وَلا تَقتُلوا أَنفُسَكُم''[17]

''اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔''

اسلام رواداری اور برداشت سکھاتا ہے۔ مذہب اور عقیدے میں تنگ نظری کا قائل نہیں قرآن مجید میں ہے:

''لا إِكراهَ فِي الدّينِ''[18]

''دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔''

قرآن مجید میں کسی اجنبی عورت سے جنسی تعلق کو حرام بتایا گیا ہے۔ اسے بے حیائی اور بدچلن قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس فعل قبیح کے قریب بھٹکنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور حکم حدولی کی صورت میں مرد اور عورت دونوں کے لیے سزا کا تقرر فرمایا ہے۔ جسے شرعی اصطلاح میں حد کہا جاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

''الزانية والزانی''[19]

''بدکاری کرنے والی عورت اور مرد کو سومارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درے۔''

---

[16] الاسراء،۱۷:۲۶

[17] النساء،۴:۲۹

[18] البقرۃ،۲:۲۵۶

[19] النور:۴

قرآن مجید میں زنا کی ممانعت اور اس کا ارتکاب کی صورت میں سزا کا حکم صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ معاشرے میں سب کے ناموس کا تحفظ مطلوب ہے۔

اس کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے:

''وَلا تَأْكُلوا أَموالَكُم بَينَكُم بِالباطِلِ''[20]

''اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق۔''

ناحق مال کھانے سے مراد مثلاً چوری، خیانت، رشوت وغیرہ کے ذریعے کسی کا مال ہتھیانا حرام ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے کہ مسلم وغیرہ مسلم کے لیے کسی کے مال کو ان غلط ذرائع سے حاصل کرنا ممنوع ہے۔

آخرت میں جواب دہی کا خوف:

بے شک یہ دنیا دارالعمل ہے اور انہی اعمال کی بدولت آخرت میں کامیابی ممکن ہے اور مومن کے عقائد میں ایک اہم عقیدہ آخرت پر ایمان لانا ہے۔ یعنی آخرت میں اپنے رب کے حضور جواب دہی کا خوف اور قرآن مجید نے کئی جگہوں پر دنیا کو فانی کہہ کر اسے سامانِ فریب کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ''

''تم سب جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا زیب وزینت، آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال ودولت اور اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا ہے۔''[21]

اور موت سے کسی شخص کو فرار حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی جائے پناہ ہے جہاں انسان موت سے بچنے کے لیے جائے ایسے میں انسان کو صرف رب عظیم سے رحمت کی امید ہوتی ہے اور اسی موت کے خوف سے ہی انسان اپنے اعمال کی درستگی فرماتا ہے۔ اسی اعمال کی درستگی کی بنیاد پر آخرت میں جوابدہی کا خوف ہے۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے ہی انسان اعمال صالح سرانجام دیتا ہے اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کی حد درجہ کوشش کرتا ہے تاکہ رب کائنات کے سامنے سرخرو ہو کر حاضری دے سکے۔ کیوں کہ موت کا مزاہ ہر روح کو چکھنا ہے۔ جیسا کے ارشاد ربانی ہے کہ:

---

[20] البقرۃ: ۱۸۸

[21] الحدید: ۲۰

''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ''

''ہر (جاندار) نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔''[22]

موت کے ذائقہ سے بچنے کا کوئی کلیہ اور فارمولہ نہ ہے اور نہ ہی کوئی جائے فرار ہے۔

عقد ذمہ کی پاسداری:

مذہب اسلام جیسا دین جو کہ امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام کا علمبر دار ہے تو اس مذہب میں اپنے ماننے والوں کے اپنے معاہدوں کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور حکم دینے کے ساتھ ساتھ نہ صرف عہدوں کو پورا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے وہیں عہد شکنی کرنے والے کو خدمت و ملامت کے ذریعے اس عمل بد سے روکا بھی گیا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو جھوٹ بولنے سے روکتا ہے اور سچائی سے بول بالا کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور جس طرح سے اپنے قول سے جھوٹ اور عہد شکنی کو ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے اسی طرح عملاً بھی دھوکہ دہی اور وعدہ شکنی کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ مذہب اسلام ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو اپنے وعدوں پورا کرتے ہیں۔ اسی حوالے سے ارشاد ربانی ہے کہ:

''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ''

''اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔''[23]

وعدوں کو پورا کرنے کی صفت خود ذات وحدہ لاشریک کی بھی ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ اپنی اس صفت ربانی کا بارہا ذکر کر کے بھی اپنے بندوں کو ترغیب دلاتے ہیں۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں جہاں منافقین کی چار صفات کا ذکر ہے ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ منافق اپنے عقد ذمہ کی پاسداری نہیں کرتا بلکہ عہد شکنی کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے عہد و پیمان کی پاسداری نہ کرنا کتنا برا فعل ہے اور اس فعل کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی سے عقد ذمہ کی پاسدار کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ یہ عمل کس قدر مذموم ہوتا ہے اور جب اپنے عہد و پیمان کو توڑا جائے اور ایسا کرنا ایک اخلاقی جرم ہے اور جب کسی سے معاہدہ کیا جائے اور

---

[22] آل عمران: ۱۷۵

[23] المومنون: ۸

دونوں فریقین میں سے کوئی بھی اپنے عقد کو پورا نہیں کرتا تو اس عمل سے نہ صرف عہد شکنی کرنے والے کا عمل اس کی اپنی آخرت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی کہیں نہ کہیں اسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

دھوکادہی سے اجتناب:

سچائی کا تضاد دھوکا ہے، دھوکا دہی میں انسان درحقیقت جھوٹ کا سہارا لے رہا ہوتا ہے اور اسلام اپنے پیروکاروں کو سچائی کی تلقین دیتا ہے اور جھوٹ و دھوکا دہی سے بچنے کے لیے ترغیب دیتا ہے۔ کیوں کہ دھوکا دہی معاشرے اور انسان کے کردار میں بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ بات میں معمولی سے بھی ہیر پھیر دھوکا دہی میں شمار ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا''

''ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ سیدھی بات کرو۔''[24]

اللہ تعالیٰ بغیر کسی لگی پٹی اور ہیر پھیر سے خالی باتوں یعنی بالکل سچائی پر مبنی سیدھی بات کی اپنے بندے سے توقع کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشار باری تعالیٰ ہے کہ

''يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ''

''ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت کے اختیار کرو۔''[25]

اسی طرح جو شخص اپنے ذاتی اغراض کے لیے کسی کو دھوکا دے یا خیانت کرئے تو ہر صورت میں یہ انتہائی قبیح اور خطرناک عمل ہے اور درحقیقت وہ شیطان کی پیروی کرتے ہوئے اپنی معاملات میں سچائی سے منہ پھیر رہا ہے تو اس کو یہ اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ وہ عذاب الٰہی کو دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سزا کا جال بچھار کھا ہے۔ اور اسی دھوکہ دہی کی برائی کی وجہ سے ہی حضرت شعیبؑ کی قوم پر عذاب نازل ہوا تھا۔

الغرض قرآنی تعلیمات سے یہ بات خوب عیاں ہوتی ہے کہ اسلام دنیا میں قیام امن کا علمبردار ہے۔ انسانیت کی ناحق ہلاکت ہر گز گوراہ نہیں کرتا اور نہ ہی مذہب و عقیدہ کے معاملے میں کسی قسم کی جبر واکراہ کی اجازت دیتا ہے۔

---

[24] الاحزاب: ۷۰

[25] التوبہ: ۱۱۹

اسلامی ریاست میں ماتحت بن کر جب کوئی شخص اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے پرامن رہنا چاہتا ہے تو اسلام اس کی جان ومال کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اور دیگر تمام بنیادی حقوق کی فراہمی کو یقینی بناتا ہے۔

اخلاص:

تمام انسانی اعمال کی روح اخلاص نیت ہی ہے اور وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو۔ اس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو اور وہ جسم بالکل مردہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک مسلمان کے ہر عمل میں اخلاص کا عنصر جھلکتا ہے۔ کیوں کہ اس کا ہر عمل اپنے رب کائنات کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہوتا ہے چاہے پھر وہ عمل دنیاوی ہو یا اخروی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی کثرت کی بجائے قلیل لیکن خلوص والے عمل کو زیادہ معتبر درجہ دیا گیا ہے۔ اور علماء نے نیک اعمال کی قبولیت کی دو شرائط کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ خالص اللہ کی رضا کے لیے عمل کیا گیا ہو

۲۔ اتباع سنت رسول ﷺ

ایک مسلمان کی زندگی میں خلوص کا تعلق اس درجے تک مروی ہے کہ اس کا کوئی بھی عمل اس سے خالی نہیں ہو سکتا اور اس کے ہر قول و عمل اور باقی تمام احساسات و فکرات کا محور و مرکز صرف ذات لاشریک کی رضامندی ہوتی ہے اور رسول کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو نیک اعمال اور اعلیٰ کردار کی تعلیم دی تا کہ ان کا ہر عمل تقویٰ اور اخلاص پر مبنی ہو یعنی جو رات کی تاریکیوں میں عمل ہو بالکل وہی دن کے اجالے میں ہو اور اسی بناء پر رب اور بندے کا تعلق سچائی پر مبنی ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک پُرامن اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی عزت و آبرو کے تحفظ اور ایک ہمہ گیر اور عالم گیر امن کے لیے ارد گرد کے مختلف قبائل جن میں مہاجرین و انصار اور یہودی قبائل شامل تھے ان کے ساتھ پُرامن معاہدات کئے۔ ان معاہدات کی رو سے ہر شخص خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو ہر ایک کو مال و جان کا تحفظ ہی نہیں ملا بلکہ مذہبی طور پر بھی مکمل آزادی ملی۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ اور مسلمانوں کو نہ صرف پُرامن ماحول ملا بلکہ اسلام مدینہ منورہ کی ریاست سے باہر ہزاروں میل دور تک پھیل گیا۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد نبی کریم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان اخوۃ کا معاہدہ کیا تا کہ مدینہ منورہ میں امن کی فضاء قائم رہے۔ اس کے بعد یہودی قبائل کے ساتھ میثاق مدینہ اس کے علاوہ مختلف قبائل کے ساتھ معاہدات کیے۔ ۶ ہجری میں آپ ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر مختلف سلاطین سے خطوط

کے پس منظر میں معاہدات کیے ان کے علاوہ مختلف قبائل سے وفود بھی آئے جن سے نبی کریم ﷺ نے مختلف معاہدات کیے۔ ان معاہدات کی وجہ سے مدینہ منورہ ایک مختصر وقت میں اسلامی بلکہ سیاسی اور ثقافتی حیثیت سے دنیا کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ دس سالہ مدنی دور میں اسلام تیزی سے پھیلتا رہا اور اس مختصر وقت میں دین اسلام تقریباً دس لاکھ سے زیادہ مربع میل تک پھیل گیا۔

معاہدہ قبیلہ جہینہ:

در حقیقت قریش مکہ کی جنگی تیاریوں کا اعلان مدینہ منورہ کی چراگاہ پر کرز بن جابر فہری کا حملہ تھا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے صحابہ کرام کو مختلف مقامات پر مامور کیا اور ایسا کرنے کا مقصد جنگ نہ تھا۔ صحابہ کرام کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ جن قبائل سے ابھی تک معاہدہ نہیں ہوا ان سے معاہدہ ہو جائے۔ اگر ان قبائل سے معاہدہ ہو گیا ہے تو تجدید معاہدہ ہو جائے تاکہ دونوں فریقین میں سے کوئی قریش مکہ کا ساتھ نہ دے قریش مکہ کا ساتھ دینے سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو گی اور معاہدہ برقرار نہ رہے گا۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ارد گرد کی مختلف وادیوں سے خطرہ لاحق تھا کہ کوئی قبیلہ قریش مکہ کا ساتھ نہ دے جنگ کی صورت میں۔ اس وجہ سے ان پر اثر ڈالنا تھا کہ وہ مسلمانوں کو غافل نہ سمجھیں۔

معاہدہ بنو ضمرہ:

معاہدہ بنو ضمرہ کا دوسرا نام معاہدہ ابواء بھی ہے۔[26] ابواء نامی مقام وہ جگہ ہے جہاں نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے اور یہ مقام ابواء مدینہ منورہ سے مکہ کی جانب تقریباً ۸۰ میل دور ہے اسی کے آس پاس بنو ضمرہ کا قبیلہ آباد ہے یہ قبیلہ بہادر اور بااثر تھا۔ قریش کے اہم تجارتی قافلے بھی اسی راستے سے شام و مصر تجارت کی غرض سے آتے جاتے ہیں۔ ۱۲ صفر ۲ ہجری بمطابق ۶۲۳ء میں نبی کریم ﷺ اس مہم میں ۷۰ مہاجرین کے ساتھ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے تھے اور مدینہ منورہ میں اپنا نائب حضرت سعد بن عبادہ کو بنایا تھا۔ اس مہم کا مقصد جنگ نہیں تھا بلکہ قریش کے ایک قافلے کی راہ روکنا تھا۔ جب آپ ﷺ ودان کے مقام پر پہنچے تو وہاں کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔[27]

---

[26] **البدایہ والنہایہ**، ۳: ۲۸۶

[27] مبارک پوری، صفی اللہ، **الرحیق المختوم**، ۲۷۲

معاہدہ بنو مدلج:

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل دور جنوب مغرب کی جانب "ابواء" اور "ضمرہ" کے قریب بنو مدلج آباد تھے۔[28] جمادی الاول یا جمادی الآخر ۲ ہجری بمطابق نومبر، دسمبر ۶۲۳ء اس مہم میں نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ۱۵۰ یا ۲۰۰ مہاجرین کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ مقصود قریش کا ایک قافلہ تھا جو ملک شام جارہا تھا یہ قافلہ مکے سے روانہ ہو چکا تھا اور اس قافلے میں قریش کا خاصا مال تھا آپ ﷺ ذوالعشیرہ کے مقام تک پہنچے لیکن آپ ﷺ کے پہنچنے سے کئی دن قبل ہی یہ قافلہ جا چکا تھا۔[29]

البتہ اسی مقام پر حضور ﷺ نے بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ قبیلہ بنو ضمرہ کا حلیف تھا۔ جو میثاق مدینہ میں ایک فریق تھا۔ اس لیے اس نے با آسانی یہ شرائط قبول کرلیں۔ اس کی دوسری وجہ ایک دوسرے کے مذہب میں عدم مداخلت تھی تاکہ بہترین ہمسائیگی کا ثبوت دیا جاسکے۔[30] اس معاہدہ کی دفعات علم نہ ہو سکا البتہ انہی شرائط پر معاہدہ کیا گیا جو ان کے حلیفی قبائل کے ساتھ شرائط رکھی گئیں۔

معاہدہ اشجع:

قبیلہ خلقان کی ایک شاخ بنو اشجع کی تھی۔ ان کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے معاہدہ کیا۔ یہ قبیلہ تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھا اور نبی کریم ﷺ نے جب قریز کی تجارت کی ناکہ بندی کی تو ان کی تجارت کا سلسلہ رک گیا۔ اس سے ان کی معاش پر بہت برا اثر پڑا۔ کیونکہ وہ تجارتی قافلوں کی خدمت کرکے روزی کمایا کرتے تھے۔ معاشی بحران سے تنگ آکر اس قبیلہ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا۔ ان کی جانب سے معاہدہ پر دستخط نعیم بن مسعود نے کیے اور حضرت علی نے معاہدہ تحریر فرمایا۔[31]

---

[28] **تاریخ طبری**، ۲: ۲۶۰

[29] مبارک پوری، صفی اللہ، **الرحیق المختوم**، ۲۷۲

[30] **البدایہ والنہایہ**، ۳: ۲۴۶

[31] **طبقات ابن سعد**، ۷: ۱۲۴

معاہدہ ضخار:

مکہ سے شام و فلسطین کے راستے پر قبیلہ ضخار آباد تھا۔ یہ قبیلہ ملک عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل ان کا مشغلہ راہزنی تھا۔ اس قبیلے کے لوگ آنے جانے والے قافلوں پر حملہ کرتے اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا وہ لوٹ لیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری بھی اسی قبیلہ سے تھے اور یہ قبل از اسلام بہت بڑے راہزن تھے۔

فتح مکہ کے بعد اس قبیلے کے چار سو آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔[32]

اس قبیلے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ضخار غفر الله لها''

''ضخار کو اللہ نے بخش دیا ہے۔''[33]

اس قبیلے نے اپنا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیج کر خود معاہدہ کی پیش کش کی جس کو نبی کریم ﷺ نے منظور کر لیا اور معاہدہ کیا۔

معاہدہ سینٹ کیتھرائین:

محمد عربی ﷺ نے ٦ ہجری میں سینٹ کتھرائن، متصل کوہ سینا کے راہبوں اور وہاں کے تمام عیسائیوں کو ایک فرمان عطا فرمایا جس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

''جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، نمازوں اور رہبانیت کی ساری جگہیں ان کے تحت ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہمسایہ ہیں، وہ سب انہی عیسائیوں کی رہیں گی (یعنی باجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائے گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کاہنت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی سلطنت میں یا اس

[32] تاریخ طبری، ۳: ۱۲۲

[33] طبقات ابن سعد، ا: ۳۵۴

چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کی اصلاح کریں گے نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا اور نہ ہی وہ خود ظلم کریں گے۔"[34]

بین الاقوامی سطح پر اس معاہدہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عیسائیوں کو اس معاہدہ کے تحت وہ حقوق اور سہولیات سے نوازا گیا جو ان کو ان کے حکمرانوں نے بھی نہ دیں تھیں۔ یہ معاہدہ بین الاقوامی سطح پر آزادی، مذہبی رواداری اور مساوات کا درس دیتا ہے جس کی مثال دینا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یورپ کے بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور مسلمان انتہا پسند ہیں۔ ان کی نظریں اس معاہدہ پر کیوں نہیں پڑتی جس میں ان کو مکمل آزادی دی گئی۔ اس معاہدہ کی شرائط کے مطابق کوئی مسلمان اگر اس عہد کو توڑے گا تو وہ سزا کا مستحق ہو گا، اس کی خلاف ورزی کرنے والا اپنے دین اسلام کو رسوا کرنے والا ہو گا۔ یہ معاہدہ تو سب کے لیے مساوات اور رواداری کی ایک مثال ہے۔ بین الاقوامی معاہدات میں یہ معاہدہ تو نبی کریم ﷺ کی سیادت کا علمبردار ہے۔ اس معاہدہ کی شرائط کے مطابق عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی اور ان کی عبادت گاہوں کو گرا کر اس جگہ مساجد تعمیر کرنے سے مسلمانوں کو اس بات کا حکم نہیں۔ اور نہ ہی ان بے جا ٹیکس لگائے جائیں۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے عقد کرے گی تو وہ اس معاہدہ کی رو سے اپنے مذہب پر قائم رہے گی۔

مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ عیسائیوں کو ان کے معابد کی مرحمت میں مدد کریں گے۔[35]

اکیدر دومۃ الجندل سے معاہدہ:

شوال ۹ ہجری میں ہونے والے اس معاہدہ کو معاہدہ اکیدر بھی کہتے ہیں۔ اس معاہدے کی عبارت درج ذیل ہے۔[36]

"یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اکیدر کے لیے ہے۔ اکیدر نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے معبودوں (بتوں کی پوجا) چھوڑ دی، اور اہل دومہ کے لیے ہے جو ہڑوں کا وہ حصہ جو آبادی کے باہر ہے بنجر اور بیابان زمینیں، زرہیں، ہتھیار، بار برداری کے جانور اور گڑھی یہ تمام چیزیں ہمارے لیے ہیں، اور تمہارے لیے وہ کھجوروں کے درخت ہیں جو گڑھی کے اندر ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے۔ تمہارے چرنے والے جانور چراگاہوں سے واپس نہیں

---

[34] **طبقات ابن سعد**، ۱: ۳۴۴

[35] **طبقات ابن سعد**، ۲: ۴۳

[36] عبد الرحمن السہیلی، **الروض الانف**، ۲: ۷۲

لوٹائے جائیں گے اورزکوۃ کے نصاب کی مقرر تعداد سے جو مویشی زیادہ ہوں گے زکوۃ کے تعین کے وقت ان کا شمار نہیں کیا جائے گا اور تمہاری پیداوار اگنے سے نہیں روکی جائے گی۔ تمہیں وقت پر نماز پڑھنا اور حق کے مطابق زکوۃ دینا ہوگی۔ اس کے لیے تمہارے ساتھ اللہ کا عہد اور معاہدہ ہے اور تم ہماری صداقت اور وفائے عہد کے مستحق ہو۔ اللہ اور مسلمان حاضرین گواہ ہیں۔"

معاہدہ ایلہ:

شام میں خلیج عقبہ کے کنارے ایک مقام ہے جسے ایلہ کہتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے ایلہ کے حاکم یوحنا بن ردیہ کو مکتوب لکھ کر ارسال کیا۔ یوحنا نے آپ ﷺ کا مکتوب مبارک وصول کیا اور پڑھنے کے بعد وہ خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ حضرت محمد ﷺ نے اسکا اکرام کیا اور اس کو مہمان کا درجہ دیا، اس سے عزت واحترام سے پیش آئے اور آپ ﷺ نے یوحنا کو اپنی عبا (قمیض) بطور ہدیہ عطا فرمائی۔ آپ ﷺ نے یوحنا سے گفتگو کے بعد معاہدہ کیا جس میں یوحنا ردیہ اور اہل ایلہ اور ان کے حلیف اہل شام، اہل یمن اور اہل بحیر کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے امان کی ضمانت دی۔ [37]

معاہدہ مقنا:

شام کے ساحل پر واقع ایلہ کے قریب ایک اہم ریاست مقنا کی تھی، آپ ﷺ جنگ تبوک کی لشکر گاہ میں موجود ارد گرد کے علاقوں کی تسخیر میں مصروف تھے کہ اسی دروان اہل مقنا کی جانب سے ایک وفد بار گاہ رسالت میں آیا۔ جس کی سربراہی عبیدہ بن یاسر بن نمیر کر رہا تھا۔ اس نے اپنی قوم کی جانب سے ریاست مدینہ کے لیے اطاعت کا پیغام بھیجا۔ آپ نے ان کو معاہدہ لکھ دیا۔ اس معاہدہ میں ان کے حقوق وفرائض کا ذکر تھا۔ [38]

۹ ہجری میں اہل مقنا سے معاہدہ طے پایا اور یہ یہودی تھے۔

فتح خیبر سے معاہدہ:

صلح حدیبیہ کی وجہ سے ہی صلح فتح خیبر کا معاہدہ پیش آیا۔ کفار مکہ، اہل مدینہ اور خیبر کے یہودیوں کے مابین تعلقات اسلام سے قبل ہی قائم تھے۔ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ

---

[37] **زادالمعاد**، ۳: ۴۳

[38] **معاہدات نبویؐ**، ۳۵۷؛ اوثائق السیاسیہ، شمارہ ۳۳، ۳۴، ۳۲/۳۸

تشریف لائے اور مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو یہ بات قریش مکہ اور یہودیوں کو ناگوار گزری اور ان دونوں کے تعلقات پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئے اور یہودی قبائل نے قریش مکہ کا بھرپور ساتھ دیا غرض کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے غزوہ احزاب میں یہودیوں نے بدعہدی کی اور قریش مکہ کا ساتھ دیا لیکن ناکامی ہوئی جس کی وجہ سے قریش مکہ تلملا اٹھے اور اسلامی ریاست کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔ غزوہ احزاب میں یہودیوں کو بدعہدی کرنے کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور یہ خیبر میں جاکر آباد ہوگئے تھے وہاں دوسرے یہودیوں سے مل کر مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں قریش مکہ کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ مل کر طرح طرح کے پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ قریش مکہ خیبر کی یہودیوں کی ہرگز مدد نہ کریں گے اور یہودیوں کو اس بات پر گھمنڈ تھا کہ قریش مکہ ان کا ساتھ دیں گے۔

معاہدات بنو عریض وبنو غازیہ:

حضرت محمد ﷺ نے بحرین کے یہودیوں، بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر ثابت قدم رہنے پر معاہدہ کیا۔

معاہدہ فدک:

خیبر کے شمال میں واقع ایک چھوٹی سی بستی فدک آباد تھی۔ اس آبادی میں یہودی قیام پذیر تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ خیبر کے یہودیوں کو شکست ہوگئی ہے تو انھوں نے اپنا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور درخواست کہ ان سے بھی خیبر کی شرائط پر معاہدہ کرلیا جائے تو آپ ﷺ نے ان سے انہی شرائط پر معاہدہ کرلیا۔

معاہدہ تیماء:

خیبر کے شمال میں ایک چھوٹی سی وادی تیماء آباد تھی۔ اس وادی میں بھی یہودی آباد تھے۔ انھوں نے بھی اہل فدک کی شرائط پر نبی کریم ﷺ سے معاہدہ کی درخواست کی تو نبی کریم ﷺ نے ان سے اہل فدک کی شرائط پر معاہدہ کرلیا۔

خلافتِ راشدہ میں کیے گئے معاہدات کا اُصول نبویؐ کی روشنی میں جائزہ:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کا دور آیا تو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق کو جب خلافت ملی تو اس نازک وقت میں فتنہ ارتداد اور مانعین زکوۃ جیسے مسائل در پیش آئے حضرت ابو بکر صدیق نے

سیرت النبی ﷺ کے دور کے معاہدات کے سنہری اُصولوں کو اپناتے ہوئے ان مسائل پر قابو پایااور اُمت مسلمہ کو ایک بڑے بحران سے بچایا اس کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی اشاعت کا کام بھی جاری رکھا۔ اسی طرح حضرت عمر کے دور خلافت میں معاشی اور انتظامی مسائل پیش آئے اور حضرت عثمان غنی کے دور میں اسلامی سلطنت بہت وسیع ہو چکی تھی اور معاشی خوش حالی نے بھی معاشرے کو منور کر دیا لیکن اس دور میں سیاسی جماعتوں نے جنم لیا جس کے باعث مشکلات پیش آئے اس دور میں دین اسلام کی اشاعت ہوئی اور اسلام ہسپانیہ تک پہنچ گیا اور بہت سے عرب وہاں جا کر آباد ہوئے۔ مسلم و غیر مسلم تعلقات بڑھے۔ حضرت عثمان نے مکتوبات بھی تحریر فرمائے۔ ان مکتوبات میں اسلامی سلطنت کے باشندوں مسلم و غیر مسلم کے متعلق جو معاہدات ہوئے ان اُصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے ساتھ نرمی والا معاملہ اختیار کیا۔ خلفاء راشدین حضرت علی کو خلافت راشدہ کے دور میں علمی مقام حاصل ہے۔ حضرت علی کو کاتبین وحی کا شرف بھی حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ مکتوبات و معاہدات اور صلح ناموں کی کتابت کا بھی شرف رکھتے ہیں۔ آپ حضرت عمر کے دور میں قاضی بھی رہے تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کی وجہ سے ملک میں بغاوت عام ہو چکی تھی اس نازک حالت میں حضرت علی نے سیاسی بحران کو قابو پانے کے کئے صوبوں کے لیے نئے گونر مقرر کئے اور ان کو مکتوبات لکھے جن میں یہ لکھا کہ نظم و ضبط کا خیال رکھا جائے اور نرمی والا معاملہ اختیار کیا جائے۔ اور ان کے حقوق و فرائض کی دیکھ بھال کی جائے ان مکتوبات کے مطالعہ سے حکومت کے اسلامی اُصول و ضوابط نکھر کر سامنے آتے ہیں تمام خلفاء راشدین نے نبی کریم ﷺ کے دور میں جو معاہدات ہوئے ان کو سامنے رکھتے ہوئے ان معاہدات میں تجدید کی۔

خلفائے راشدین کے دور میں غیر مسلموں سے معاہدات:

خلیفہ آنحضور ﷺ کا جانشین اور قرآن و سنت کا ترجمان ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ سے مراد پہلے چار خلفاء کا دور حکومت ہے۔ اس دور کو بھی نبی کریم ﷺ کی مشعل راہ قرار دیا ہے۔ اس لیے خلافت راشدہ کا دور سیاسی، انتظامی اور معاشرتی لحاظ سے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو لوگوں کی بہترین اور فلاح و بہبود کا مثالی دور تھا۔ آئندہ نسلوں کے لیے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین''[39]

[39] طبری، محمد بن جریر، **تاریخ الامم الملوک**، مترجم سید محمد ابراہیم، (کراچی: نفیس اکیڈمی کراچی، ۲۰۰۳ء)، ۳: ۲۲۱

"تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔"

خلفاء راشدین کا دور حکومت کمال اتباع رسول ﷺ کا دور تھا، اس دور میں غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے انہیں اصول وضوابط کو مد نظر رکھا گیا جو عہد رسالت میں تھے۔ عہد رسالت میں غیر مسلموں سے تعلقات خیر خواہی، عدل واحسان رواداری اور احترام انسانیت کی بنیاد پر تھے۔

نتائج تحقیق:

دور حاضر میں دین اسلام اور اسلامی روایات کو باقاعدہ منصوبے کے تحت مسلمانوں کے ذہنوں سے مٹانے اور اسلام کے تصور کو مسخ کرنے کی سر توڑ کوشش کی جارہی ہیں تو ان حالات میں تعلقات انسانی کا مسئلہ درحقیقت انتہائی اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ کیوں کہ بہتر تعلقات ہی کی بناء پر کسی قوم کے مزاج کا پتہ چلتا ہے اور اچھے تعلقات ہی کسی قوم کی ترقی وناکامی کی ضمانت ہوتے ہیں۔ اسی طرح عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں کئے گئے بین الاقوامی معاہدات اعلیٰ اسلامی اقدار کو اجاگر کرتے ہیں۔ اور ملک پاکستان اور تمام اقوام عالم کی بقاء اور ترقی کے لیے عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں کئے گئے معاہدات عمدہ مثال ہیں اور ان معاہدات کے مطالعے سے پاکستان کے لیے جو اہم تجاویز اور نتائج سامنے آتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مسلمانوں کو دور نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں کئے گئے معاہدات کو راہنما بنا کر تمام دنیا سے اعلیٰ اسلامی اقدار، رواداری، احترام انسانیت اور وسعت قلب جیسے رویوں کو فروغ دینا چاہیے۔

2۔ دور نبوی اور خلافت راشدہ کے معاہدات تمام اقوام عالم کے لیے پر امن بقائے باہمی کے حوالے سے عدیم النظیر مثال رکھتے ہیں۔

3۔ اسلامی حکومت اپنی سوچ کو وسعت دے کر انسانی مسائل کے حل کی طرف توجہ دینی چاہیے تاکہ انسانی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو دین کی عالمگیریت کا احساس دلایا جاسکے۔

4۔ اسلامی حکومت کو اعلیٰ اسلامی اقدار کا مظاہرہ کر کے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو احسن مجادلہ اور حکمت کے ساتھ بہترین نصیحت کے ذریعے غیر مسلموں تک پہنچانی چاہیئے۔

5۔ خلفائے راشدین کے معاہدات کے لیے عہد نبوی ﷺ میں کئے گئے معاہدات کو مشعل راہ بنایا۔ اب یہ ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ رویے کا مظاہرہ کر کے اپنے شاندار ماضی کی یاد بھی تازہ کروائے۔

6۔ مدنی زندگی میں رسول اکرم ﷺ نے جو دیگر قبائل سے معاہدات کئے وہ معاہدات دور حاضر میں بین الاقوامی سطح پر معاہدات کے لیے مشعل راہ ہیں۔

7۔ خلافت راشدہ کے بعد بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کا دور حکومت آج کے دور کے لیے بہترین راہنمائی ثابت ہو سکتا ہے۔

8۔ تمام معاہدات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے معاہدات کر کے ان کے ساتھ احسن سلوک روا رکھا جائے اور ان کی سماجی، ثقافی اور مذہبی روایات پر ان کی دل آزاری نہ کی جائے۔ اور ان کو آزادی و تحفظ فراہم کر کے اعلیٰ اسلامی اقدار کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

9۔ بہترین اسلامی اصولوں کو اپنا کر غیر مسلموں کو اپنے حسن سلوک سے متاثر کر کے اسلام کا بہترین نقشہ اور تصویر ان کے سامنے رکھ کر خاموش تبلیغ کے ذریعے انہیں اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔

10۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ان معاہدات کی پاسداری کرئے جو اسلامی اصول و احکام کے خلاف نہ ہوں۔ یعنی وہ ممنوعہ اشیاء جیسے منشیات وغیرہ کے کاروبار پر معاہدات نہیں کرنے چاہیے۔

11۔ امریکی ورلڈ آرڈر جو سامراجی حیثیت رکھتا ہے پاکستان کو چاہیے کہ وہ اس کے منفی اثرات سے اقوام عالم کو بچانے کے لیے کوئی قابل قبول اسلامی نظام متعارف کرائے جو کہ اقوام عالم کے لیے فلاح کا عنصر رکھتا ہو۔

12۔ معاہدات کی پاسداری کے معاملے میں مسلم و غیر مسلم کی تقسیم کو بلائے طاق رکھ کر معاملات کرنے چاہیے۔ تاکہ وفائے عہد جیسے اہم اسلامی قدر کی نافرمانی نہ ہو۔

13۔ معاہدات کرتے وقت دونوں فریقین کو اپنی نیت درست رکھنی چاہیے خاص کر مسلمان حکومت کو اسلامی نقطہ نظر سے خالص نیت کو اپنانا چاہیے۔ کیونکہ بد نیتی سے معاملات میں برکت نہیں رہتی اور قوم اپنے عزت و وقار کو کھو دیتی ہے۔ جیسا کہ اقبال کہتے ہیں کہ:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

سفارشات:

1- جو بھی معاہدہ کیا جائے وہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق کیا جائے۔

2- ایسے معاہدات نہ کیے جائیں جو اسلامی شریعت کے منافی ہوں۔

3- معاہدات خلوص دل سے کیے جائیں۔

4- معاہدات احکام خداوندی کے مطابق کیے جائیں۔

5- وہ معاہدات جو غیر مسلموں سے کیے جائیں۔ان معاہدات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو مد نظر رکھا جائے۔

6- معاہدات میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے اور ان کے مفادات کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ تاکہ دونوں فریقین قائم رہیں تو معاہدہ بھی قائم رہے گا۔

7- معاہدہ میں اگر فریقین میں سے کوئی ایک فریق معاہدہ میں بد عملی کرے گا تو معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

8- معاہدات دونوں فریقین کی رضامندی سے کیا جائے۔ اگر معاہدہ وقت معین کے لیے ہے تو فریقین کی رضامندی بھی ضروری ہے۔